وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ

توصیفِ وارث

مصنّف
شیخ رضی احمد وارثی

Scanned with CamScanner

حضرت سید عبد السلام
عرف میاں بالکا رحمتہ
اللہ علیہ کی جانب سے
کتب وارثیہ کی یہ
بہترین کاوش کی گئی جو
کہ ایک سفید پوش
گزرے ہیں اپنے وقت کے
کامل ترین عالم با عمل
ولی فقیر جو داخل
سلسلہ حضرت عبداللہ
شاہ شہید رحمتہ اللہ
علیہ سے ہیں لکی اسٹار
صدر کراچی میں ان کا
مزار ہے
یہ کام وارث پاک غلام
نواز عظمہ اللہ ذکرہ کے
حکم پر کیا گیا اس کام کو
کوئی وارثی اپنی جانب
منسوب کرکے توہین
حکم مرشد کا ارتکاب نا
کرے اگر کوئی بھی
شخص یہ کہے کہ اس
نے پی ڈی ایف بنائی تو
مان لیجیے گا کہ یہ
جھوٹ بول ہے غلام کا
کام غلامی کرنا ہے یعنی
مرشد کے حکم کی
تعمیل کرنا ہے نا کہ
تعریف اور واہ واہی وصول
کرنا
برائے مہربانی سب
وارثیوں پر حکم مرشد کی
اتباع لازم ہے جھوٹ
بولنے اور واہ واہی سے پر
ہیز کریں   شکریہ

Scanned with CamScanner

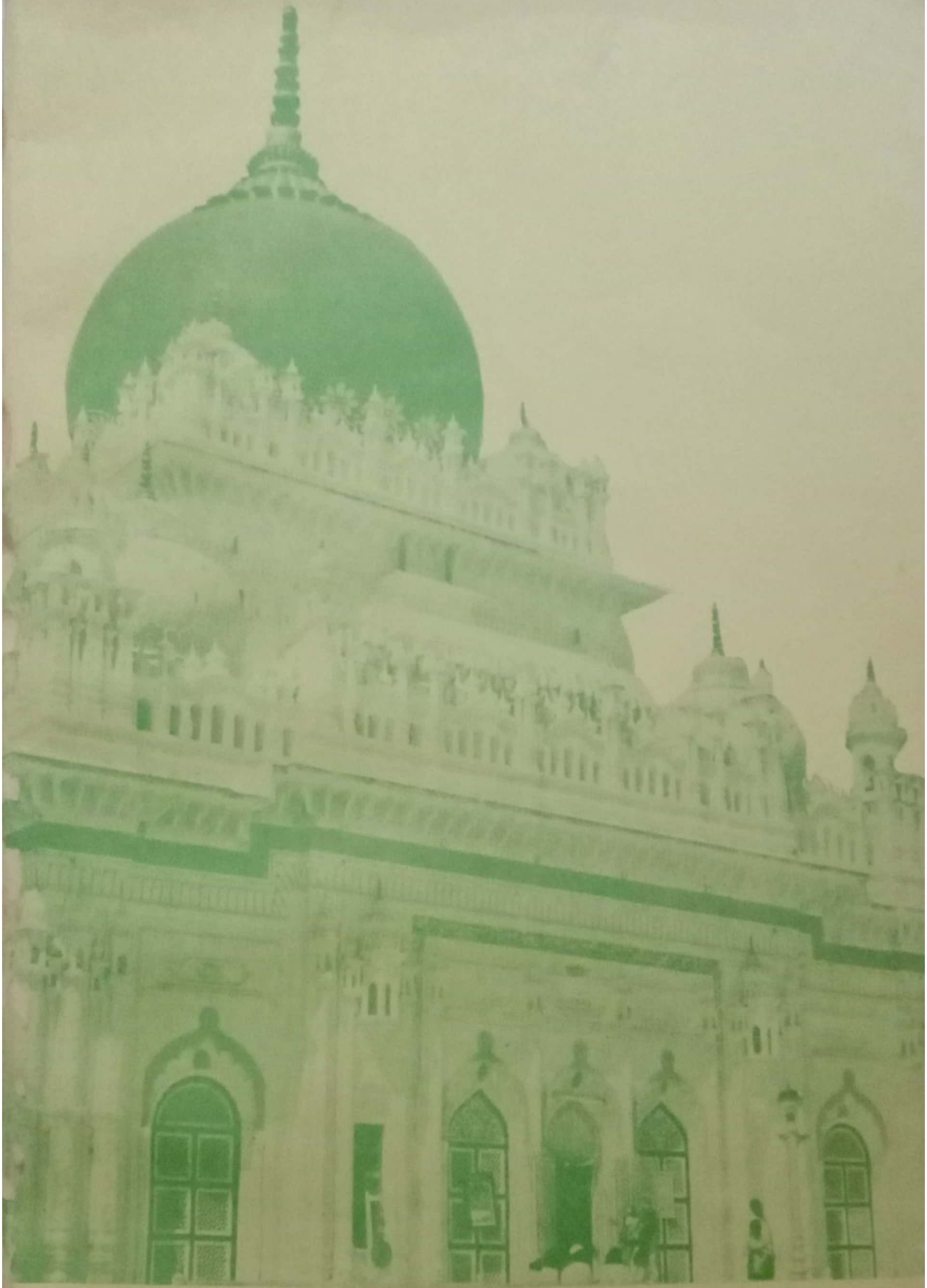

حسبِ فرمائش؛

حاجی وارث علی شاہ مسولیم ٹرسٹ

* آستانۂ عالیہ دیوا شریف

تحصیل و ضلع بارہ بنکی (یو پی - بھارت)

سعد محمود وارثی خلف الرشید شیخ رضی احمد وارثی (آنریری منیجر)

Scanned with CamScanner

شبیه مرزا محمد ابراهیم بیگ شیدا وارثی که درعرصه حیات خودش از مهد
تا لحد یعنی ۱۲۸۱ھ تا ۱۳۶۳ھ لواء انوار تجلیات وارثی افراشت

Scanned with CamScanner

توصیفِ وارث

مشتمل بر نالۂ شیدا۔ فیضِ وارث۔ واسوخت شیدا۔ فیضانِ وارث

از منظومات مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی

و منظومات مولوی لطافت حسین وارثی در زبان پارسی

و رسالہ انیسویں صدی عیسوی کا ایک جلیل الشان صوفی

مصنفہ ڈپٹی افتخار حسین وارثی در زبان انگریزی۔ و

مکتوب وائیکونٹ گلازر وارثی در زبان انگریزی

مرتبہ

شیخ رضی احمد

منیجر آستانۂ عالیہ

Scanned with CamScanner

باهتمام
جناب الحاج
فقیر
عزّت شاہ صاحب وارثی

مدّ ظلہ عالی ناظمِ اعلیٰ آستانۂ عالیہ وارثیہ چھپر شریف

ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گجرخان ضلع راولپنڈی۔

ناشر : الوارث لیمینشن سروسز

۲۔ گراؤنڈ فلور ماشاءاللہ۔ مارکیٹ ۵۵۔ بی چیمبرلین روڈ۔ لاہور

تعداد ____ ایک ہزار

سال اشاعت ____ ۱۹۹۳ء

ناظمِ اشاعت ____ وارثیہ ٹرسٹ،

آستانۂ عالیہ وارثیہ چھپر شریف

ڈاکخانہ چنگا بنگیال۔ تحصیل گوجرخان۔ ضلع راولپنڈی

کتاب ملنے کا پتہ

آستانہ عالیہ وارثیہ حضرت فقیر اکمل شاہ وارثی

چھپر شریف ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی

Scanned with CamScanner

فہرست مضامین کتاب توصیف وارث

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	دیباچہ	۴
۲	سوانح حیات مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی	۵ تا ۲۵
۳	نالۂ شیدا	۲۶ تا ۳۲
۴	افضال وارث	۳۳ تا ۴۸
۵	فیض وارث	۴۹ تا ۶۲
۶	واسوخت شیدا	۶۳ تا ۷۶
۷	منظومات منشی لطافت حسین وارثی	۷۷ تا ۱۵۲
۸	مکتوب و ترجمہ مکتوب کاؤنٹ گلازرا وارثی	۱۵۳ تا ۱۶۶
۹	اُنیسویں صدی کا ایک جلیل الشان صوفی	۱۶۷ تا آخر

ٹکسیشن پرنٹنگ پریس ۱۶ اریٹی گن روڈ لاہور

Scanned with CamScanner

یا الٰہ العالمین انت خیر الوارثین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

لا مقصود الا ھو لا معبود الا ھو لا موجود الا ھو

محمد ابراہیم بیگ نام شیدا لقب سرکاری۔ شرفائے لکھنؤ میں سے تھے آپ کے والد کا نام محمد بیگ تھا۔ راجہ بازار میں مکان تھا چکن کا کاروبار کرتے تھے اور اس تجارت میں انہیں فراغت حاصل تھی مرزا محمد بیگ کو سید خادم علی شاہ صاحب سے عقیدت تھی مگر بیعت نہیں ہوئے تھے ۱۲۵۲ھ میں سید خادم علی شاہ کا وصال ہوا محمد بیگ صاحب انکے سوم میں شریک ہوئے۔ سوم کے ساتھ دستار بندی کی رسم ادا ہوئی جس کی تفصیل انکے صاحبزادے کے قلم سے اس طور پر ہے ۔۔

"تیسرے روز رسم فاتحہ خوانی ہوئی۔ روسائے شہر اور مریدین و معتقدین کے علاوہ علمائے دین و حضرات مشائخین کا مجمع ہوا۔ اور بعد فاتحہ خوانی کے رسم دستار بندی کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور مولوی منا جان میاں صاحب نے جو آپ کے لنگرخانہ کے مہتمم بھی تھے نقرئی کشتی میں ایک دستار رکھ کر حضار جلسہ کے روبرو پیش کی۔ اور عرض کیا کہ آپ حضرات کو جو اس کا اہل معلوم ہو اس کو یہ خلعت مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ نبیرۂ حضرت غوث گوالیاری ذنیر اکبر شاہ صاحب نے اس منصب کے واسطے حضور قبلۂ عالم کو تجویز فرمایا۔ اور دیگر مشائخین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اور اس پگڑی کو حضور کے فرق انور پر مشائخین عظام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے باندھا۔

میرے والد ماجد کو بھی اسی دوران میں تمغائے غلامی مرحمت ہوا۔ حالانکہ بظاہر وہ ذی استعداد اور بہت متشرع شخص تھے اور عمر بھی ۲۹ سال کی تھی۔ مگر ان کی ارادت کا عجب قصہ ہے۔

چنانچہ والد ماجد نے اپنی ارادت کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی روحانی شخصیت کا چونکہ شہرہ تھا اس لحاظ سے میں بھی بطور نیازمندی ان کی تقریب سیوم میں شریک ہوا۔ بعد فاتحہ خوانی کے دیکھا کہ نہایت وجیہ اور غایت حسین ایک نوعمر صاحبزادہ کے سر اقدس پر مقتدر مشائخین نے پگڑی باندھی۔ میرے دل پر ان صاحبزادے کی عظمت و جلال کا غیر معمولی اثر ہوا۔ ارادہ کیا کہ

مصافحہ کروں مگر رعب حق ایسا سدِ راہ ہوا کہ قریب نہ جا سکا اور مکان واپس آ گیا۔ لیکن اس کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ صاحبزادہ برگزیدۂ خدا ہیں اور ان کے پردہ میں کوئی بڑی قوت کارفرما ہے۔

چند روز کے بعد انہیں صاحبزادے کو عالم رویا میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ "ہمارے پاس آیا کرو" علی الصباح حصول قدمبوسی کے شوق میں گھر سے چلا۔ جب مسجد پل قصابان کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہی صاحبزادے مسجد سے برآمد ہوئے اور میرے سلام کا نہایت اخلاق سے جواب دے کر فرمایا کہ "ٹھہرو ہم آتے ہیں" تھوڑے عرصہ میں زنانی محلسرائے سے ڈور کر چرخی اور ایک کنکوا ہاتھ میں لئے تشریف لائے۔ اور کنکوا مجھ کو دے کر ارشاد ہوا کہ "چھوڑائی دو" حسب الحکم کنکوئے کی ڈور پکڑ کر ہنوز دس پندرہ قدم گیا تھا کہ مسکرا کر فرمایا "اب ڈور نہ چھوٹے" اس مختصر جملہ کا میرے قلب پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ اشکبار قدموں پر گرا اور عرض کی کہ للہ دستگیری فرمایئے کہ میرے کمزور ہاتھوں سے آپ کی ڈور نہ چھوٹے۔ آپ بیٹھ گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "لو ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا" میں نے یہ جملہ ادا کیا تو آپ نے ہاتھ چھوڑ کر چند ہدایتیں کیں اور فرمایا۔ "جاؤ دنیا کے طالب نہ ہونا۔ اور خدا کی محبت میں بندگانِ خدا کی بقدر امکان خدمت کرنا اور قلب کی نگرانی۔ اور انفاس کے شمار سے غافل نہ ہونا۔" اور آپ محلسرائے میں تشریف لے گئے۔

میں حسب ہدایت مکان تو واپس آیا مگر دل کا تقاضا تھا کہ یہیں پڑے رہو۔ اور انہیں کی دلپذیر صورت کو جو قدرت کی مجسم تصویر ہے دیکھا کرو۔ بلکہ اسی اضطراب کی وجہ سے روزانہ خدمت والا میں حاضر ہوتا تھا ایک ہفتہ کے بعد آپ نے یہ پرورش فرمائی کہ غریب خانہ پر تشریف لایئے اور تمہاری والدہ کو بھی داخل سلسلہ فرمایا۔ اور بتاکید ارشاد ہوا کہ "ایک صورت کو پکڑ لو وہی صورت یہاں بھی تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور قبر میں بھی اسی کا سامنا ہو گا۔ اور حشر میں بھی اُسی کو دیکھو گے۔"

میرے والد ماجد کہتے تھے کہ بیعت لینے کے بعد پہلی ہدایت مجھ کو یہ فرمائی کہ "محبت کرو" اور جب سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو ایک روز بکمال پرورش یہ فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور کا کرم ہے۔ مگر قلب سوز محبت سے گداز ہو۔ اس کے لئے ایک نظر عنایت کی ضرورت ہے۔ ارشاد ہوا کہ تہجد کے بعد غسل کرو اور عطریات سے معطر ہو کر تصدیق کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ یہ درود پڑھا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ۔ یہ برزخ قایم ہو جائے گی لیکن پھر دُنیا کے کام کے نہ رہو گے" اور حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا تبسم فرما کر یہ شعر پڑھا ؎

ہر کہ را باشد ز یزداں کاروبار — بار آنجا یافت بیروں شد ز کار "

شیدا میاں [illegible]ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ خود تحریر فرماتے ہیں میری پیدائش [illegible]ھ کی ہے اور تیرہ چودہ سال کی عمر کے حالات اکثر مجھے یاد ہیں۔ آپ کے ایام طفولیت میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت مظہر ایتہ خیرالوارثین آپ کے گھر میں قیام پذیر تھے کہ جناب کی طبیعت ناساز ہو گئی اور علالت نے طول کھینچا اُس وقت شیدا میاں کی والدہ نے بارگاہ رب العزت میں دست دعا بلند کیا اور یہ التجا کی کہ حضور صحت یاب ہو جائیں اور جو خستگی و رنجوری آپ پر آنے والی ہے وہ میرے بیٹے شیدا پر آجائے۔ چنانچہ حضور صحت یاب ہو گئے۔ اس بظاہر معمولی واقعہ کا نتیجہ اس صورت میں برآمد ہوا کہ جب شیدا میاں سن شعور کو پہنچے اور آپ کی والدہ نے سرکار سے ان کے رشتہ کے لئے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہیں مردے کا نکاح ہوتا ہے۔ یعنی تم تو اس کو مجھ پر قربان کر چکی ہو اور وہ مجھ میں فنا ہو چکا ہے۔

بیعت یوں تو ازل سے آپ سرکار کے دست گرفتہ تھے اور تیرہ چودہ برس کی عمر سے تا نفس واپسیں بار گاہ حضوری میں حاضر باش رہے یا آستانۂ عالیہ پر موجود رہے الا بہ حکم سرکار یا برائے سرانجام دہی امور متعلقہ آستانہ عالیہ کبھی اور کہیں جانا پڑا تو گئے۔ لیکن یہ کہ ظاہری طور سے آپ کب بیعت ہوئے بقید سنہ و تاریخ معلوم نہیں البتہ آپ کی روحانی تعلیم اور تکمیل کا واقعہ حیات میں مذکور ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ واقعہ بھی اسی مضمون کا ہے کہ ایک حاضر باش حلقہ بگوش نے اپنی دلی خواہش کا اظہار اس خوشنما عنوان سے کیا کہ یہ شعر جلی قلم سے لکھ کر سرکار عالم پناہ کے سامنے پیش کیا نہ یہ شیدا میاں کی اپنی سرگذشت ہے۔

"منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن   برخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

حضور قبلۂ عالم نے ملاحظہ فرما کر بکمال عنایت ارشاد فرمایا۔ کہ اپنی اس خواہش دلی کو لفظ تمنا سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔ یہ تو مخصوص طور پر تم لوگوں کا حصہ ہے۔ جو حسب حیثیت سب کو ضرور ملتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بجائے کل کے آج ہی اپنا حصہ لے لو۔

یہ فرما کر سخائے پنجتنی کی حقیقی شان دکھائی۔ اور اس ارادت مند کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا لیا۔ معلوم نہیں اس نے کیا دلفریب کرشمہ دیکھا کہ مغلوب الحال ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حکم ہوا۔ خاموش۔ تم کو نہیں معلوم کہ ضبط اہل محبت کا خاص زیور ہے۔ مرتے دم تک نہ زبان سے کچھ کہنا۔ اور نہ اس صورت کے دیکھنے کے بعد دوسری صورت کو دیکھنا۔ بلکہ یہ شعر یاد رکھو۔

گر تو خواہی کہ بینش بر دوز   دیدہ ہا راز غیر او چوں بند باز"

اس دیرینہ غلام نے یہ حکم قطعی سن کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند کیا زندگی ہی میں زبان کے

ساتھ آنکھیں بھی بند کر لوں۔

حضور قبلۂ عالم نے مسکرا کے فرمایا کہ آنکھ بند کرنے کا مطلب وہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو۔ کیونکہ مخلوقِ الٰہی کو ازراہ خوش نیتی بغور یا سرسری طور سے دیکھنا مباح ہے بلکہ عبرت اور خشیت کا سبق حاصل کرنے کے واسطے کارسازِ حقیقی کی صنعتوں پر نظر کرنا۔ بفحوائے فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ عین عبادت ہے۔ البتہ مشربِ عشق میں ماسوائے محبوب کو ایسی ملتفت نظر سے دیکھنا۔ جو شخص منظور کے ساتھ انہماک پیدا کر دے غیرتِ عشق کے منافی ہے کیونکہ حقیقت میں ماسوائے یار جملہ موجودات کے اثرات کو دل سے زائل اور فنا کرنے کا نام عشق ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے "نَارُ الشَّوْقِ تُذِیْبُ النُّفُوْسَ"۔ بقول مولانا ؎

عشق آں شعلہ ست کہ چوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

چنانچہ "بردوختن" سے مراد یہ نہیں ہے کہ آنکھوں کو سی لو۔ یا بند کر لو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح باز کی آنکھیں جب سی دیتے ہیں تو وہ کسی کو نہیں دیکھتا۔ اسی طرح تم اپنی آنکھیں سوزنِ محبت سے سی لو یعنی یار پر مائل اور اغیار سے غافل رہو اور خلق میں کسی صورت کو ایسی رغبت سے نہ دیکھو جس کا تعلق دل میں جاگزیں ہو۔ پس ظاہر خلق میں ہر چیز کو دیکھو مگر فی الحقیقت بجز ایک کے سب سے ناآشنا رہو۔

اس ارادتمند نے باوجودیکہ اس وقت حواس باختہ تھا مگر بکمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مولائے من جس طرح مجھ نااہل کو حضور نے اپنی گرانقدر عنایت سے سرفراز کیا ہے۔ اسی طرح یہ توفیق بھی مرحمت ہو کہ بجز آپ کے کسی اور کو نہ دیکھوں۔ ورنہ میں نہ اس پرورش کا سزاوار تھا اور نہ اس کی طاقت ہے کہ اس اہم ترین حکم کی تعمیل کا ارادہ بھی کر دوں۔ لیکن آپ کے کرم سے اس کا یقین واثق ہے کہ

آساں ز تغافل تو مشکل مشکل ز عنایت تو آساں

حضور قبلۂ عالم نے خوش ہو کر اس غلام کو پھر سینہ سے لگا لیا۔ اور اپنی مستعمل رضائی مرحمت فرما کر ارشاد ہوا "گھبراؤ نہیں۔ بیٹھو۔ اللہ مالک ہے۔"

واقعہ مصرحہ بالا کے اسرار باطنی سے ہم ظاہر بینوں کو واقفیت تو ہو نہیں سکتی البتہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب ۱۹۴۶ء میں شیدا میاں نے عالم بقا کی جانب رحلت فرمائی تو سرکاری فقرا کی طرح انکی تجہیز و تکفین عمل میں آئی جیسا کہ انھوں نے خود انتقال سے چند روز قبل وصیت فرمائی تھی۔ اور کفن کے جملہ لوازمات یعنی لنگوٹ تہبند وغیرہ جو عطیہ تھے حضرت مرشد پاک کے مختلف بکسوں سے ان کے حسب ایما نکالے گئے اور فراہم کیے گئے۔

Scanned with CamScanner

درس و تدریس انکی تصنیفات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں تفسیر، فقہ، حدیث علم الکلام وغیرہ پر عبور حاصل تھا۔ وہ آیات قرآنی، احادیث اور اقوال صوفیائے کبار کو موتیوں کی طرح اپنی تحریروں میں پروتے چلے جاتے ہیں کسی مضمون پر بحث کرتے ہیں تو یہ انداز ہوتا ہے کہ اس مضمون کے ہر پہلو پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں۔ جزو جز و نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتے یہاں تک کہ جو نظریہ ان کا ہوتا ہے وہ پڑھنے والے کے قلب پر آئینہ کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ اب ہم ان کا اپنا بیان درسیات کے متعلق نقل کرتے ہیں۔ "بلوغ المرام" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اوائل عمر سے مجھ کو اُن کتابوں کے مطالعہ کا شوق رہا جنہیں کسی نہ کسی قسم کی خصوصیت ہو اور اس غیر معمولی شوق کا بظاہر سبب یہ تھا کہ اُن لوگوں کے ظل عاطفت میں میری نشوونما ہوئی جن کو درس و تدریس سے خاص دلچسپی تھی۔ لہٰذا اگر سعدی علیہ الرحمۃ کا ہم نوا ہو کر یہ عرض کروں تو شاید بے جا نہ ہوگا ؎

جمال ہم نشیں در من اثر کرد　　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

پھر خوبی قسمت سے بعض مقدس و خدارسیدہ حضرات کی خدمت میں بھی حاضر باشی کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اور اُن کے بہترین کلمات اور مفید ہدایات سے کان مستفیض ہوا کئے اور کبھی کسی کتاب کی جانب اُن کا اشارہ پایا تو بالاستیعاب اُس کا بھی مطالعہ ضرور کیا۔

کچھ عرصہ کے بعد مجھ بے بضاعت کو اس انہماک کتب بینی کا ثمرہ یہ ملا یا یوں کہو کہ اُن برگزیدہ ہستیوں کے فیضان و تصرف سے یہ عقدہ حل ہوا کہ بکمال حزم و تیقن یہ سمجھ میں آیا کہ کتاب اللہ و اخبار رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد وہ کتابیں جو قلب کو اطمینان اور روح کو غذا پہونچاتی اور انسان کے اخلاق و عادات کو درست کرتی ہیں اور جن کی ورق گردانی کرنے سے معاشرت کے صحیح اصول معلوم ہوتے ہیں وہ صرف حضرات صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی مستند تصانیف اور مقدس مواعظ اور ان کی پاکیزہ زندگی کی داستانیں ہیں۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اگر ارادت و مودت سے قلب معمور رہے تو ان برگزیدہ ہستیوں کی باطنی صحبت سے بھی انسان کامیاب اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔ بقول ؎

گر در سرت ہوائے وصال است حافظا　　　باید کہ خاک درگہ اہل بصر شوی

اس خیال کے جاگزین ہونے کے بعد بجز رسائل تصوف دیکھنے اور ارباب تصوف کے ارشادات قدسیہ اور شمائل مرضیہ پڑھنے کے دوسرے مضامین کی کتابوں سے قطعی دلچسپی نہ رہی ؎

خوفِ رستاخیز از قلبِ نظامی محو شد   لطفِ پیرِ مے فروشاں را بنا ہے ساختم

حتیٰ کہ اسی انہماک کی وجہ سے کتب درسیہ کا سبق بھی چھوٹ گیا۔ اور میری اس نا تمام تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔

میری زندگی کے اس دوسرے دَور میں صوفیائے باصفا کی عظمت و جلالت کا ایسا گہرا اثر پڑا کہ ان کے ساتھ عقیدت روز افزوں ہونے لگی۔ اور درحقیقت یہی توغل و انہماک اس رسالہ کی تالیف کا حقیقی سبب ہوا اور خیال کیا ؎

ہمیں بس گرچہ من کاسد قماشم   کہ در سلکِ خریدارانش باشم

ورنہ تصوّف جیسے اعلیٰ اور روحانی فن میں قلم اُٹھانے کی جسارت ہرگز نہ کرتا۔ کیونکہ مسلم ہے کہ انسان جس کوچہ سے واقعی بے خبر اور قطعی ناآشنا ہو۔ اس کی طرف قدم بڑھانے کا اقدام کرنا اس کے جہل کا صریح ثبوت اور اس کی نادانی کی بین دلیل ہے۔ بقول ؎

نہ شوی واقفِ یک نکتہ ز اسرارِ وجود   گرچہ سرگشتہ شوی دائرۂ امکاں را

چنانچہ میری نادانی کا اظہار، میری اس بے جا دست اندازی سے بخوبی ہوتا ہے کہ باوجود آلودۂ عصیاں اور منہمک دنیائے دوں ہونے کے۔ اس خدائی علم اور فن وہبی کے۔ اسرار مکنوں پر حاشیہ نویسی کیلئے تیار ہوگیا۔ حالانکہ اپنی اس حماقت پر کسی وقت ندامت بھی ہوتی ہے۔ اور سمجھتا ہوں کہ شاید اس مشہور مقولہ کا مصداق کوئی نہ ہوگا ع

بارِ گراں کجا دمن ناتواں کجا!"

اسی تحیر کا نتیجہ تھا کہ جب ۱۳۲۳ھ میں مرشد پاک نے پردہ کیا تو برادران طریقت میں جنکی تعداد بے شمار تھی اکابرین اور برگزیدہ حضرات کی نظریں سلسلہ کی تعلیم اور حالات قلم بند کرنے کیلئے آپ ہی پر پڑیں جیسا کہ حیات وارث کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے ملاحظہ ہو۔

"یکم صفر ۱۳۲۳ھ کو جب مرشد برحق ہادی مطلق خضر صحرائے طریقت آشنائے بحر حقیقت، امام الاولیا مخدوم الاصفیا، ابوالوقت و عالم پناہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہٗ نے پردہ فرمایا تو میرے صادق مربی حاجی الحرمین جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی زیب سجادۂ حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم

نادری کنزالعرفت علیہ الرحمتہ نے شاید اس دوراندیشی کے لحاظ سے کہ شیرازہ منتشر ہوگیا ہے، مبادا کہیں دیگر مسائل مشربی میں بھی بجائے اتحاد کے صورت اختلاف رونما نہ ہو، اار ربیع الثانی کو بعد فراغ فاتحہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰے عنہ جب میں خصلت طلب ہوا تو ارشاد فرمایا کہ بیٹھو اور بگوش ہوش سنو کہ وقت بہت نازک آگیا ہے اس لیئے بقدر امکان کوشش کرو کہ ہمارے رہنمائے کامل کے ممتاز حالات اور مقدس واقعات اور مفید ہدایات وارشادات، جو اکثر حجاب سماعت حاضرین میں نہاں اور گوشۂ خاطر خدام باتمکین میں پنہاں ہیں، لہذا ضرورت اس کی ہے کہ وہ گوہر صدف سینۂ زیب تاج سفینہ ہو جائیں تاکہ اس مجموعہ کی ورق گردانی سے ہم حلقہ بگوش سبق آموز ہوں، اور وہی مکمل مجموعہ ہمارے مسلک کا مستقل دستورالعمل اور مستند فتاویٰ بھی ہوگا جس سے غلامان وارثی اپنے مشربی قیود و شرائط معلوم کریں گے، اور آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائینگی لیکن ضعف بصارت سے مجبور ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اس مجموعہ کو تیار کرو۔"

میں نے بکمالِ ادب عرض کیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میرے لئے باعثِ سعادت ہے لیکن افسوس نہ تاریخ نویسی کی اہلیت ہے اور نہ اپنی ضعیف اور محدود معلومات اس لائق کہ ایسی گرانقدر خدمت بجا لانے کی جسارت کروں۔ بقول ع

بارگراں کجا و منِ ناتواں کجا

ممدوح الشان نے میری ہمت افزائی کے خیال سے فرمایا کہ تمہاری قلیل معلومات کی اس طرح تکمیل بھی ہوسکتی ہے کہ یہ تو سنا ہوگا کہ یہ فقیر اپنے آقائے محترم ذوالفضل والکرم سے آٹھ سال عمر میں چھوٹا ہے مجھ کو یاد ہے کہ جب سرکار عالم پناہ میرے بڑے چچا سے قرآن مجید حفظ فرماتے تھے تو میں اس وقت شاید پارۂ عم پڑھتا تھا۔ آپ ایک سال میں حافظ ہوگئے اور میں ناظرہ خواں ہی رہا۔ اس وقت سے آپ کے حالات و واقعات کا بقدر حیثیت مجھ کو علم ہے اور علیٰ ہذا حضور کے اکثر ملفوظات بھی صفحۂ یاد میں محفوظ ہیں، جن سے تم فائدہ اُٹھا سکتے ہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس قدر سیرت وارثی لکھنے میں آج تم کو آسانی ہوگی، اسی قدر بعد میرے دشواریاں پیش آئیں گی۔"

میں نے دست بستہ عرض کیا کہ آپ کا یہ ارشاد بہت درست ہے کہ تسلسل اور صحت کے ساتھ حضور کے سفر و حضر کے حالات سے باخبر صرف آپ کی ذات ہے لیکن حالت یہ ہے کہ جب سے آقائے نامدار کے دیدار ظاہری سے محروم ہوا ہوں کسی کام سے دل بستگی نہیں۔ دماغ معطل و بےکار ہے، لہذا متمدعی ہوں کہ تھوڑی مہلت مرحمت ہو۔ تاکہ اطمینان سے آپ کے فرمان کی تعمیل کروں۔

جناب شاہ صاحب قبلہ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "سچ کہتے ہو کہ اس کام کا بغیر اطمینان کامل خوش سلوبی

ے انجام پانا گل ہے خیر، مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ ہم بھی چراغ سحری ہیں معلوم نہیں سائیں کو کیا منظور ہے۔"
اس قصہ کو صرف پانچ ماہ گزرے تھے کہ ۱۸ رماہ رمضان المبارک ۱۳۲۲ہجری کو مالک حقیقی نے
شاہ صاحب ممدوح کو دوسرے عالم میں بلا لیا، چنانچہ آپ کے وصال کی تاریخ یہ ہے :-

بود حق بین و حق پرست و برفت	تا بعہد ہمبری روش از مہد
سال ہجری فوت او گفتم	آہ فضل حسین شمع عہد
	۲۳ ۱۳ ہ

افسوس جناب شاہ صاحب قبلہ کے بعد پھر کوئی ایسا شفیق ناصح نہ رہا جو اس مشربی خدمت کے
واسطے حکماً تاکید فرماتا
اپنے برگزیدہ اکابرین کی آرزو کس طرح پوری کی۔ اس کی تصدیق حیات وارث۔ منہاج العشقیہ
بلوغ المرام اور خلاصۃ السلوک کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔

حلیہ میانہ اندام۔ کتابی چہرہ۔ نرگسی آنکھیں۔ کشادہ پیشانی۔ بدن چھریرہ مائل بہ نحافت۔ سڈول اعضا
شانے بازو بھرے ہوئے۔ سر کے بال نا بہ نرمہ گوش دراز۔ مونچھیں بڑی نہ چھوٹی۔ لباس کرتہ یا قمیص پائجامہ
پتلی مہری کا۔ شیروانی۔ مزاج میں سادگی اور مروت بے انتہا۔ وضع کی پابندی بدرجہ کمال۔ ڈاڑھی کی
وضع قلندرانہ یعنی گھٹی ہوئی گویا یہ انداز پردہ تھا انتہائے فقر کا جو ان پر چھایا ہوا اور جس میں وہ ڈوبے
ہوئے تھے۔ دل بیار دست بکار کا مضمون تھا۔
امتناع سجادہ نشینی کے حکم کو روبکار لانے میں انہوں نے انتہائی جدوجہد کی۔ اس ارادے
کو عملی جامہ پہنانے کے لئے درگاہ وارثی ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ اس مہم کی انجام دہی میں محمود میاں شریک رہے
۱۹۱۵ء میں منجانب ایسوسی ایشن عدالت ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ حسب دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی
مقبرہ شریف کو وقف عام کرانے اور تنسیخ سجادگی کا دعویٰ دائر ہوا جس کا فیصلہ بحق ایسوسی ایشن ۱۹۱۷ء
میں منجانب عدالت جوڈیشنل کمشنر صاحب لکھنؤ نافذ ہوا جس پر عملدرآمد چلا آ رہا ہے۔ مقدمہ کی
پیروی میں جس طرح آپ سرگرداں رہے اس کی حقیقت وہی حضرات جان سکتے ہیں جنہیں مقدمات کی
پیروی کا تجربہ ہوگا۔ اس اہم کام کے ساتھ آستانہ کی تعمیر کا کام بھی دونوں حضرات کی نگرانی میں انجام
پا رہا تھا اور جس کاوش و عرقریزی اور اہتمام کے ساتھ انہوں نے ان فرائض کو انجام دیا ہے آستانہ کی عمارت
اور اس کے متعلق جو وسیع قطعات زمین کے حاصل کئے گئے ہیں ان کی محنت پر شاہد عادل ہیں۔

Scanned with CamScanner

علاوہ بریں آستانے کے معمولات کی تنظیم۔ ماہانہ اور سالانہ وروزانہ تقاریب عرس و مولود شریف وغیرہ کا نظام سب انہیں کا قایم کیا ہوا ہے۔

مرشد برحق کے پردہ کرنے کے بعد حلقہ متوسلین سلسلہ کو طرح طرح کی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک محدود جماعت نے سجادگی پر زور دیا۔ کچھ دنوں کے لئے سید ابراہیم صاحب مرحوم اس منصب پر متمکن بھی ہو گئے لیکن ایک بڑی جماعت اس کارروائی کو خلاف مشرب سمجھتی رہی۔ اس گروہ کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک بالغ نظر، دوراندیش اور آخرمیں شخصیت کی ضرورت تھی۔ اور قدرت نے یہ سب خوبیاں شیدا میاں کی ذات میں جمع کر دی تھیں۔ وہ آگے بڑھے اور تن تنہا انہوں نے اس بارگراں کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

وضعداری

وضع قطع طرز معاشرت لباس خوش خلقی کا جو انداز عنفوان شباب میں تھا اسی کو آخر تک نباہتے رہے جس شہر میں گئے اور جن لوگوں سے پہلی بار ملے پھر جب اس شہر میں اس مقام پر جانا ہوا اسی ترتیب سے ان سب ملنے والوں سے ملے۔ جس سے ایک بار سلوک لیا۔ پھر جب کبھی وہ آیا ویسا ہی سلوک برابر کرتے رہے۔ نہایت ہنس مکھ خوش مزاج اور شیریں گفتار تھے۔ انکسار مزاج میں اس قدر تھا کہ اگر کسی نے بالمشافہ سخت کلامی بھی کی تو خندہ پیشانی سے ہنس کر جواب دیا۔ اور اس طرح اسے اپنا گرویدہ بنالیا۔

جنہیں آستانہ کے معاملات سے تھوڑی بہت بھی واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ آستانہ عالیہ کی تمام سرگرمیوں کے شروع کرنے، بڑھانے اور مکمل کرنے کا سہرا صرف شیدا میاں اور انکے دست راست نجمے میاں کے سر تاقیامت بندھا رہے گا۔ ان دونوں حضرات نے اپنی زندگی انہیں سرگرمیوں کی انجام دہی میں صرف کر دی۔ جس کی مختصر روداد جہاں تک شیدا میاں کا تعلق ہے یہ ہے:۔

١٢٨٠ھ میں پیدا ہوئے۔ ١٢٩٤ھ سے یکم صفر ١٣٢٣ھ تک حضوری میں حاضر باشی کا فخر حاصل کیا چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ تیرہ چودہ برس کی عمر سے حالات میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ ١٣٢٣ھ میں مرشد پاک نے پردہ کیا۔ اس وقت سے تادم واپسیں دیوہ شریف میں فرائض کی انجام دہی میں منہمک رہے۔ گویا از مہد تا لحد اپنی ساری زندگی سرکار وارثی کے سایۂ عاطفت میں گزار دی۔ والدین کے انتقال کے بعد شیدا میاں کے ایک بھائی تھے جن کا انتقال بہت دن پہلے ہو چکا تھا۔ بہنوں کے فریضہ سے بھی انہیں اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔ خود مجرد تھے۔ چھوٹے تھے۔ صالح تھے۔ تہبند انہیں ان شرائط کے ساتھ عطا ہو چکا تھا کہ جس وضع اور طریقہ پر ہو اسی پر قایم رہو۔ چنانچہ اسی لباس اور وضع میں بسر اوقات ...

Scanned with CamScanner

سیر فی اللہ۔ سیر مع اللہ۔ سیر من اللہ کے منازل مرشد برحق نے اپنے کرم سے طے کروا دیے تھے ترک دنیا۔ ترک عقبیٰ۔ ترک مولا۔ ترک ترک کی سرحدیں پار کروا دی تھیں۔ ان کی زندگی باہمہ اور بے ہمہ کی آئینہ دار تھی۔ ظاہری صورت دنیا داروں جیسی تھی اور باطن میں وہ مدارج علیا انہیں حاصل تھے جن کا صحیح اندازہ کرنا ہم ظاہر بینوں کی قدرت سے باہر ہے۔ ۱۸۹۲ء میں مشہد مقدس بغداد شریف۔ کربلائے معلےٰ اور نجف اشرف اور دیگر اماکن مقدسہ کی زیارت کا حکم ہوا۔ واپسی پر ایک سند خلافت کی خانقاہ قادریہ سے اور ایک سند جاروب کشی کی چالیس روز تک حضرت سید الشہدا کے مزار پر لے کر حاضر ہوئے۔ مرشد پاک نے خلافت کی سند کے متعلق تو حکم دیا کہ اسے آگ میں ڈال دو اور جاروب کشی کی سند کے لئے حکم ہوا کہ اسے محفوظ رکھو اور قبر میں اپنے ساتھ لے جانا۔ چنانچہ اسی سفر کا تذکرہ حیات وارث میں موجود ہے وہو ہذا۔

سنہ ۱۸۹۲ء کا یہ واقعہ ہے کہ مشہد مقدس (خراسان) میں مجھکو یہ معلوم ہوا کہ آغا عبد العلی اثنا عشری جو پہلے یہاں کے ناظم توشک خانہ تھے۔ اور اب بوجہ پیری خانہ نشین ہیں۔ وہ سرکار عالم پناہ کے مخصوص حلقہ بگوش ہیں یہ سن کے شوق ہوا کہ اُن سے ملاقات ضرور کرنا چاہیئے۔ مگر جامع المتفرقین نے یہ سامان کر دیا کہ اسی روز اور اسی خادم آستانہ اقدس نے جن سے صبح کو ان کا ذکر کیا تھا عصر کے بعد یہ خبر دی کہ اس وقت آغا ناظم روضۂ انور پر حاضر ہوئے ہیں میں فوراً گیا۔ اور موصوف سے ملا اور انہوں نے سلام کا جواب بھی بہ خندہ پیشانی دیا مگر غیر مانوس صورت دیکھی تو چہرے پر کچھ آثار تحیر نظر آئے۔ میں نے خود اپنا تعارف ان الفاظ میں کیا کہ باوجودیکہ نا اشنا ضرور ہوں۔ مگر اس خصوصیت کی وجہ سے ملنے آیا کہ میں بھی اسی بارگاہ عالی کا ادنیٰ غلام ہوں جس کے قدیم ارادتمندوں میں آپ کا شمار ہے۔ موصوف نے بکمال محبت معانقہ کیا اور نام و نشان سُن کے فرمایا کہ یہاں سیر نہ ہوگی اگر تکلیف نہ ہو تو مکان پر چلیئے۔ میں نے عذر کیا کہ میری حاضری کا وقت قریب ہے۔ کل حاضر ہونگا کہا اچھا۔ مگر چلیئے وہیں چنیا ہوگی۔

دوسرے روز میں گیا تو ان کو منتظر پایا۔ بہ شفقت معانقہ کیا اور ایران میں سرکار عالم پناہ کی تشریف آوری کا ذکر کرنے لگے۔ اسی اثنا میں خادم چائے اور ناشتہ لایا۔ ممدوح نے اپنے ہاتھ سے بنا کر ایک فنجان مجھ کو دیا۔ اور خود اسی مذاکرہ میں مصروف رہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ آپ چائے سے دستکش کیوں ہیں۔ فرمایا۔ معذور ہوں۔ میں نے سبب معذوری پوچھا تو کہا۔ عرض کرتا ہوں وہ سبب یہ ہے

کہ دیگر واردات قلبی کے بعد جب داخل سلسلہ ہو چکا تو مجھے چار وقت کھانے دیکھ کر ایک روز حضور قبلۂ عالم نے فرمایا کہ تم کثیر الغذا کب سے ہو؟ عرض کیا کہ آب و ہوا کے اثر سے یہاں ہر شخص زیادہ کھاتا ہے اور ہضم ہوتا ہے۔ فرمایا شکم سیری سے جس طرح تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح طالب خدا کی روحانی ترقی کے واسطے سدراہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرسنگی مفید اور معین الحال ہوتی ہے چنانچہ مشہور مقولہ ہے "اَلْجُوْعُ يُصَفِّي الْفُؤَادَ وَيُمِيْتُ الْهَوَاءَ وَيُوْرِثُ الْعِلْمَ" کہ بھوک قلب کو صاف اور ہوا و حرص کو زائل اور علم کو پیدا کرتی ہے۔

میں نے عرض کیا جو حکم ہو۔ فرمایا کچھ عرصہ تک تم مسلسل روزہ رکھو۔ آئندہ خدا کو جو منظور ہوگا وہ کرنا مگر گھبرانا نہیں۔

اس روز سے میں روزہ رکھنے لگا۔ تین سال کے بعد جب ایبان کو پھر آپ کی تشریف آوری سے عزت حاصل ہوئی تو مجھ کو صائم دیکھ کر فرمایا کہ عبدالعلی۔ روزہ رکھنے سے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ عرض کیا تکلیف کیسی افطار کے بعد تفریح ہوتی ہے۔ یہ سن کے مجھے قریب بلایا اور شغل سلطان الاذکار تعلیم فرماکر ارشاد ہوا کہ تم دائم الصوم ہو جاؤ۔

اس روز سے دونوں کام کرتا ہوں اور حضور کی عنایت سے آج تک کوئی روزہ بھی قضا نہیں ہوا۔ اور شغل سلطان الاذکار کا بھی جاری ہے۔ اور اسی جہت سے روضہ انور کی اس ممتاز خدمت سے مستعفی ہو گیا ہوں کہ ہمہ وقت انتظام اور انصرام کی مصروفیت میں تفریغ خاطر ہونا دشوار بلکہ محال معلوم ہوا۔"

سفر عراق کے بیان میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اس حقیر کو ۱۳۱۰ھ میں حضور نے سفر عراق کی جب اشارت فرمائی تو یہ بھی حکم ہوا کہ نجف اشرف پہنچنا تو وادی السلام میں در نجف ڈھونڈنا اور بادن نگینے در نجف اور بادن موئے نجف کے ہمارے لئے لانا۔ حسب ہدایت ایسا ہی کیا اور بعد واپسی جب ہر دو قسم کے نگینے پیش کئے تو حضور نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ موئے نجف تو لائے مگر تصویر نجف بھی دیکھی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ دیکھنا کیسا تصویر نجف کا نام بھی نہیں سنا اور نہ تصویر نجف کی حقیقت معلوم ہے۔ فرمایا جس طرح موئے نجف میں بال دکھائی دیتے ہیں اور اس کو موئے نجف کہتے ہیں اسی طرح نگینے میں شیر خدا کی شبیہ دکھائی دیتی ہے کہ آپ کھڑے ہیں اور ذوالفقار ہاتھ میں ہے۔ اور اسی کو تصویر نجف کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے تصویر نجف دیکھی تھی۔ اس وقت جناب حضرت نے نیچی نظر کر کے آہ سرد کے ساتھ فرمایا کہ "اسی کو دیکھ کر تو یہ حال ہوا۔"

Scanned with CamScanner

بلکہ میرے والد ماجد بھی کہتے تھے کہ بعد مراجعت سفر حجاز حضور قبلۂ عالم نے وقتاً فوقتاً زیارت نجف اشرف کا جب ذکر فرمایا تو آپ کی تقریر کے اکثر اشارات سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ آپ کی تکمیل مراتب اولیسیہ نجف اشرف میں مولائے کائنات کے روحانی تصرفات سے ہوئی اور اس کا بھی اشارہ ہوا کہ کربلا میں تمہارے دادا صاحب رضائے اتم و تسلیم کامل ہیں ان کی تعلیم سے مستفید ہو۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی طرح محمد بیگ صاحب کی اولاد بھی مرشد پاک کے سلسلے میں داخل ہوتی گئی اور کوئی متنفس بھی ان کے خاندان میں ایسا نہ رہا جسے شرف بیعت سرکار عالم پناہ کا حاصل نہ ہو جیسا کہ ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:۔

چنانچہ میں نے اپنی والدہ کو حضور کی تشریف آوری کے خیال میں اس طرح مصروف دیکھا ہے کہ ان کا معمول تھا ہر روز بعد نماز فجر اس کمرہ کو صاف کرتی تھیں جس میں آپ کا بستر ہمیشہ بچھا رہتا تھا۔ جب لوبان یا اگر کی بتی جلا کر کمرہ کا دروازہ بند کر دیتیں تو پھر آپ کی افطاری کا سامان۔ آلو۔ اروی۔ شکر قند وغیرہ کو دیکھتیں جو چیز خراب ہو جاتی اس کو نکال کر دوسری منگا کر رکھ دیتیں۔ گھر کے پلنگ جو پیش نظر آ سکتے تھے ان کو ہٹا دیا جاتا کیونکہ حضور کو پلنگ کا دیکھنا بھی ناگوار تھا۔ اکثر سہ پہر کو حضور کے واسطے افطاری اس سرگرمی سے پکاتیں کہ معلوم ہوتا تھا آپ تشریف فرما ہیں اور یہ ان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جب رات ہو جاتی تو اداس ہو جاتیں اور کہتیں کہ اب سرکار نہیں آئینگے۔

دُنیا و مافیہا سے دست بردار ہو کر شیدا میاں نے ساری زندگی دیوہ شریف میں گزاری۔ جہاں اپنی رہائش کیلئے انہوں نے ایک مختصر سا گھر بنوالیا تھا جس کی کل کائنات ایک کمرے ایک برآمدے اور چند کوٹھریوں پر مشتمل تھی۔ یہ مکان اب بھی قایم ہے اور اسی کے صحن میں انکا مزار ہے۔ اپنی ساری جائداد آبائی انہوں نے آستانہ پر وقف کر دی تھی۔ اس جائداد میں چند مکان شامل تھے جو لکھنؤ کے مشہور محلہ راجہ بازار میں واقع ہیں۔

شیدا میاں کی تصانیف

شیدا میاں کی تصانیف میں خلاصۃ السلوک۔ بلوغ المرام حیات حضرت اور منہاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ نہایت پایہ کی کتابیں ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بجز صاحب دل صاحب مقام کے کوئی عامی ان مباحث پر اس طرح نہیں لکھ سکتا تھا جس طرح انہوں نے لکھا ہے سلوک کے مقامات اور نکات بیان کرنا صوفیا ہی کا کام ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جو کتابیں اولیائے عظام نے تصنیف کی ہیں وہ مقبول ہیں۔ مثلاً احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ عوارف المعارف کشف المحجوب

Scanned with CamScanner

رسالہ قشیریہ۔ کتاب اللمع مثنوی مولانا روم وغیرہ۔ شہدامیاں کی تصانیف کا شمار بھی صوفیائے متاخرین کی تصانیف میں ہونا چاہیے۔

خلاصۃ السلوک خلاصۃ السلوک ان کی پہلی تصنیف ہے۔ اس میں حمد و نعت کا پیرایۂ بیان ولولے اور جذبات سے بھرا ہوا ہے توحید کی انہوں نے حسب ذیل تقسیمیں پیش کی ہیں۔

توحید شریعت۔ توحید طریقت۔ توحید حقیقت۔ توحید معرفت۔ توحید ازلی۔ توحید ذاتی۔ توحید قدیمی توحید الہٰی۔ توحید ظلی۔ توحید عینی۔ توحید شہودی۔ توحید وجودی۔ توحید شرعی۔ توحید عقلی۔ توحید کشفی۔ توحید استدلالی۔ توحید حالی۔ توحید ذوالجلالی۔ توحید مثالی۔ اس تفصیل کے ہر جزو کو نہایت آسان طریقہ سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں توحید تکملۂ ایمان کا نام ہے اور یہ مقربین خاص کا مقام ہے۔ اور موحد کو کمال توحید کے بعد مرتبہ اتحاد کا نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اعتبار بزم توحید خلوت اتحاد شائبہ تکلف سے پاک ہے۔ اللہ جل جلالہ کے بحر یگانگی میں غرق ہو کر موحد کا جانب بے وجہی التفات ہوتا ہے جس کو ایک ہونا کہتے ہیں ؎

در آئینہ وحدت چندانکہ نظر کردم　　او را ہمہ او دیدم خود را ہمہ او دیدم

اس کے بعد صدر وحدت ہے۔ اتحاد اور وحدت میں یہ فرق ہے کہ اتحاد کے معنی ایک ہونا ہیں جس میں کسی قدر بوئے کثرت آتی ہے۔ اور وحدت میں یہ تکلیف بھی نہیں ہے۔ مقام وحدت میں سکون حرکت۔ ذکر۔ فکر۔ سیر۔ سلوک۔ طلب۔ طالب۔ کمال۔ نقصان کا نام و نشان نہیں ہے۔

مقامات توحید کے بعد ترک دنیا۔ ترک عقبیٰ۔ ترک مولیٰ۔ ترک ترک۔ جمع و تفرقہ۔ فنا و بقا کے منازل بتلائے گئے ہیں۔ ذکر چہار ضربی۔ حدادی۔ اسدی۔ پاس انفاس۔ حبس دم کے طریقے معارفانہ انداز سے قلمبند کئے گئے ہیں۔ تصور شیخ اور ذکر سلطان الاذکار کس طرح برتے جاتے ہیں تفصیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

تصور شیخ آسان طریقہ یہ ہے کہ طالب کو لازم ہے کہ پہلے تنگ و تاریک مکان میں تنہا اور باطہارت دوزانو قبلہ رو ہو کر صورت شیخ کا تصور کرے۔ اور اگر کسی کا دست گرفتہ نہ ہو تو مجبوراً جس سے ربط محبت یا تعلق عشق مجازی ہو اس کا تصور کرے مگر مسلم الثبوت ہے کہ راہ طریقت میں اہل کسب کو بغیر وساطت مرشد فیض بمشکل اور عرصہ میں حاصل ہوتا ہے

محققین حضرات صوفیہ نے تصور کے قواعد مختلف طور پر ارقام فرمائے ہیں۔ انہیں میں سے ایک

ایک طریقہ اختیار کرے۔ لیکن بہت آسان اور مفید طریقہ ایک یہ ہے کہ جملہ تعلقات عالم سے قلب کو صاف کرے اور یکسوئی اور جمعیت خاطر کے ساتھ صورت شیخ کا خیال کرے اور جب صورت شیخ مستحکم طور سے خیال میں آجائے تو فوراً مع اس خیال کے اپنے قلب کی جانب متوجہ ہو اور چشم دل سے جمال مرشد کا نظارہ کرے اگر طلب صادق اور شوق کامل ہے تو اس طریقہ سے بہت جلد طالب کو تصور کرنے میں کامیابی ہوگی کیونکہ یہ طریقہ اکثر خطرات کو روکتا ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ تصور کرنے میں آنکھیں بند نہ کیجائیں جس کا فائدہ آگے محسوس ہوگا۔ اگر اس میں کوئی دشواری ہے تو اسی قدر کہ قلب کی جانب متوجہ ہو اور چشم دل سے برزخ شیخ کا نظارہ نہ کرے۔ لیکن فضل الٰہی شامل حال ہے تو کوئی مشکل ایسی نہیں جو کہ آسان نہ ہو۔ بقول

مرد باید کہ ہراساں نہ شود — مشکلے نیست کہ آسان نہ شود

اگر طالب شوق و محبت کے ساتھ سعی اور کوشش کرے گا تو امید ہے کہ بہت جلد صورت شیخ کا تصور قائم ہونے لگیگا۔"

سلطان الاذکار "مستند اور مفید طریقہ اس کے عمل کا یہ ہے کہ شاغل کو لازم ہے کہ جب شغل سلطان الاذکار شروع کرے تو رات ہو یا دن ایسے صحرا میں جو تردد ات اور ہجوم مردمان سے محفوظ ہو۔ یا ایسے حجرہ میں جہاں کسی کی آواز نہ آتی ہو بیٹھے۔ اور مقصود اصلی یعنی طلب الٰہی بہزار عجز و نیاز مطلوب حقیقی کی جناب میں پیش کرے اور شوق وصال حضرت ذوالجلال میں بکمال استقلال اپنے خیال کو درون دل اس طرح محبوس کرے کہ دیگر توہمات کا گزر نہ ہو اور گوش دل کی جانب بغور نال ہمہ تن متوجہ ہو اور جہاں تک ممکن ہو اس توجہ میں فکر و کوشش کرے اور اس کی سعی کرے کہ دوسرا خیال نہ آئے انشاءاللہ اُس کے بطون سے ایک آواز لطیف پیدا ہوگی اُس کو بغور سنے۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

بر لبش قفل است در دل رازہا — لب خموش و دل پر از آوازہا

اور یہ آواز بعض اوقات مثل جوش دیگ اور کبھی آواز زنبور کے مانند آتی ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے ؎

سخنہا بانگ زنبوران نماید — چو اندر گوش ناگوید کلام او
ہمہ عالم گرفتہ آفتابی — زہے کورے کہ میگوید کدام او

یہ آواز سن کر شاغل کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میری اسی ہیکل جسمانی میں یہ آواز محدود ہے۔ بلکہ

Scanned with CamScanner

یہ سمجھنا لازم ہے کہ اس صدائے غیبی سے تمام عالم ملو ہے۔ بقول ؎

برآور پنبۂ پندارت از گوش — صدائے واحد القہار مینوش
ندائی آید از حق بر دوام است — چرا گشتی تو موقوف قیامت"

تصوف کا علم معرفت کی مثال شہد خالص کے مشابہ ہے جو کسی ظرف میں رکھا ہوا ہو۔ اگر کوئی اس انگبیں کے ایک قطرہ یا اس کے عشر عشیر کے ذائقہ سے فائز المرام ہو جائے تو اسے اس چیز سے جو اس ظرف میں موجود ہے بقدر اپنی فہم اور رسائی کے واقفیت ہو جائے گی۔ فِيهَا شِفَاءٌ لِلنَّاسِ۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

چنانچہ مولانا روم نے مثنوی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر حسہائے باطن میں سے ایک حس بھی بیدار ہو جاتی ہے تو دیگر حسہائے باطن بھی بیدار ہونے لگتی ہیں۔ خلاصۃ السلوک کی غایت یہی ہے کہ اس کا پڑھنے والا یا پیرو اپنی حسہائے باطن کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

بلوغ المرام اقوال اولیائے عظام یہ ۲۹۶ صفحے کی کتاب ہے۔ اس میں تصوف کے مختلف ۴۳ مقامات پر صوفیا متقدمین کے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں اور انہیں کے ذیل میں صوفیائے عالی مقام کے اقوال نقل کئے گئے ہیں مشتے نمونہ از خروارے ہم سماع اور محبت کے متعلق شیدا میاں کے تبصرے پیش کرتے ہیں جن سے آپ کو ان کی اس اعلےٰ منزلت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا جو روحانیت میں انہیں حاصل تھی وہو ہذا۔

صفت سماع "حضرات محققین کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اصوات طیبہ کو بالاتفاق انعامات الٰہیہ میں شمار کیا ہے اس وجہ سے سماع مستحسنات صوفیہ کرام میں داخل ہے اور جواز سماع پر عرفائے مشاہیر کا اجماع ہے اور مسلمہ ہے کہ سماع آرام دل عاشقاں سرور سینۂ صفا، قوت غذائے جان سائراں دوائے درد سالکان ہے بقول مولانا ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع — کہ دروں باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر — بلکہ صورت گردد آں بانگ صفیر

لیکن اکثر علمائے شریعت و نیز ایک جماعت اہل طریقت کا جواز سماع سے اس بنیاد پر اتفاق نہیں ہے کہ سماع مشائخین متاخرین کا وضع کردہ ہے۔ اس لئے بدعت میں داخل ہے حالانکہ حضرات صوفیہ نے مختلف اسناد و دلائل سے جواز سماع میں گفتگو کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ عقلاً و نقلاً چونکہ

Scanned with CamScanner

سماع مزاحم سنت نہیں اس لئے مطلق مذموم ہو نہیں سکتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ مشتمل بر فوائد ہو کہ اکثر اہل ریاضت و مجاہدت کو ملال قلب اضمحلال نفوس سے ایسے اشکال پیدا ہوتے ہیں جن سے فتور اعمال و قصور احوال کا اندیشہ ہوتا ہے یا بعض اوقات سالک کو اثناء سیر و سلوک میں وقفات و حجابات ایسے بھی رونما ہوتے ہیں جن کی جہت سے طریق ترقیٔ احوال مسدود ہوتا ہے۔ پس اس قسم رکاوٹ کے دفعیہ کیلئے اطبائے معانی نے آسان علاج سماع الحان تجویز فرمایا ہے کہ سماع اصوات طیبہ وغنائے متناسبہ ایسی مفید اور سریع التاثیر دوا ئے محرک ہے جس کے استعمال سے سالک کی شدت شوق و حدت شغف میں خاص ہیجان ہوتا ہے اور وہ طے مقامات میں سرگرم اور ترقیٔ درجات کے لئے کوشاں اور آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور وقفات و حجابات رفع ہو کر مزید فتحیاب ہوتا ہے۔ بقول ؎

دِل وقت سماع بوئے ز دلدار برد ‌ ‌ ‌ ‌ جان را بسرا پردۂ اسرار بَرد

ایں زمزمہ مرکبیست مروح ترا ‌ ‌ ‌ ‌ بردارد و خوش بعالم یار بَرد

علاوہ اس کے سماع معین وجد عارف اور سبب جمعیت حال اس لحاظ سے بھی ہے کہ ہیکل انسانی نفس و ہوا و عقل روح پر مشتمل ہے اور ہر ایک قوت کی ایک مخصوص غذا مقرر ہے اور ہر ایک قوت کی غذا غذائی قوت ثانی کی ضد ہے یعنی غذائے نفس سے نہ ہوا کو آرام نہ غذائی ہوا سے نفس کو رغبت ہے نہ غذائی روح سے عقل مسرور اور نہ غذائی عقل سے روح کو سرور ہوتا ہے اور جب ایک قوت کو غذا پہنچتی ہے تو بے اختیار دوسری قوتوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ غذا ان کی طبیعت کے خلاف ہے اور ان کی مخصوص غذا کی ضد ہوتی ہے اس وجہ سے اس لئے وجود انسانی میں آثار پریشانی کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا سالک راہ طریقت کے واسطے ایک غذا ایسی درکار ہے کہ جو ہر چہار قوت کی جمعیت کا سبب اور تقویت کا باعث ہو اور اسی ایک غذائی کامل الاثر اور جامع المفاد سے ہر ایک قوت اپنی اپنی مرغوب غذا حاصل کرے اور ضد باہمی او خصومت درمیانی بہ سہولت و آسانی رفع ہو جائے۔

چنانچہ یہ مجموعی صفت آواز دل آویز میں ہے کہ لحن خوش گوار بہ یک وقت ہر چہار قوت کو مطمئن اور یکساں طور پر محظوظ کرتا ہے کہ نفس کو بہ آشتی کجی سے راستی حاصل ہوتی ہے اور ہوا جانب استقامت مائل ہوتی ہے عقل کو اصل معنی سے شادمانی ہوتی ہے اور روح کو سوئے عالم ارواح التفات ہوتا ہے۔

البتہ اگر سماع حسب عادت نفسانی اور بخیال لذت شہوانی یا متصوفہ رسمی کی صرف تقلید سے یا بغرض عیش و طرب یا بہ معیت مکروہات و ممنوعات ہو تو عین وبال اور یقینی محل انکار اور مستمع ملوم اور زیاں کار ہوگا۔

اس واسطے ہادیانِ راہ طریقت نے بہ نظر احتیاط بکمال صراحت فرمایا ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل سماع عام جس کا اجماع بذریعہ نفس ہوتا ہے اس کے چار مراتب ہیں طبعی و ہوائی و شہوانی اور بدعتی یہ قطعی حرام ہے۔ دوم سماع خاص جو بگوشِ دل سے سنتے ہیں۔ اُن کے تین مدارج ہیں۔ رجائی، خوفی، علمی یہ ہر سہ پسندیدہ ہیں۔ سوم سماع اخص جس کا محض روح سے تعلق ہوتا ہے یہ سماع باعث کیفیت وجہیت و جد حقانی و سبب احوال روحانی ہے اور یہی سماع حق ہے اور اسی کو اہل سنتے ہیں۔ چنانچہ انہیں موارد و سماع کی نسبت شیخ ابو علی دقاق علیہ الرحمہ نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ہے۔ اَلسَّمَاعُ حَرَامٌ عَلَی الْعَوَامِ لِاَنَّهُمْ یَسْمَعُوْنَ بِحَیٰوۃِ نُفُوْسِهِمْ وَمُبَاحٌ لِلزُّهَّادِ مِنْ اَرْبَابِ الْمُجَاهِدَاتِ وَمُسْتَحَبٌّ لِاَصْحَابِنَا لِاَنَّهُمْ یَسْمَعُوْنَ بِحَیٰوۃِ قُلُوْبِهِمْ ۔

خلاصہ یہ کہ سماع فی نفسہٖ محمود ہے لیکن بلحاظ حالات و تعینات کسی کے لیے اس کا استماع مذموم بھی ہوتا ہے اور کسی کو مستحسن و مبارک۔ اسی خیال سے حضرات صوفیہ کرام نے آداب سماع منضبط فرمائے ہیں جن کی شرائط اوّل خلوص نیت اور اخوان صادق کی معیت، زبان و مکان کا لحاظ اور مستمع کے ظاہر و باطن کا سکون و وقار اور حرکات زوائد و فضول سے پرہیز ضروری ہے۔

اور اگر کسی سامع کو آواز خوش و لطیف سے حظ و لذت نہ حاصل ہو تو یہ علامت ہے کہ دل اس کا مردہ اور اس کی سماعت باطنی معطل ہے لہذا سماع و غنا و الحان کی ہادیانِ راہ طریقت نے بکمال شرح و بسط تعریف فرمائی ہے اور اس کے مفاد و ضرر سے آگاہ کیا ہے۔

صفت محبّت "اصطلاح صوفیہ میں محب صادق کی اس باطنی کیفیت کو محبت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جو مطالعہ جمال یار کے لیے قلب کو مضطر اور بے قرار کرے۔

اور حقیقتِ محبت کی نسبت ارباب طریقت نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ محبت محض موہبت ہے جس کو نہ کسب و کوشش سے تعلق ہے نہ جد و جہد سے سروکار بلکہ وہ اَنَّمَا هِیَ مِنْ مَوَاهِبِ الْحَقِّ وَفَضْلِهٖ ۔ بقول ؎

می خور کہ عاشقی نہ بکسب است و اختیار   ایں موہبت رسید ز ایوان قسمتم

علیٰ ہذا حضرات صوفیہ کرام نے علامات محبت کو بہ کمال صراحت ارقام فرمایا ہے۔ چنانچہ بعض مقتدر عارفین نے تو گرفتاران دام محبت کے علامات ظاہری مجمل الفاظ میں بیان کیے ہیں مثلاً لسان الغیب

Scanned with CamScanner

حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

روی زرد است و آہ درد آلود　　عاشقاں را گواہِ رنجوری

یا عارف باللہ حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر قدس سرہٗ نے تھوڑی صراحت کے ساتھ اسی مضمون کو یوں نظم فرمایا ہے ؎

عاشقاں را شش نشان است اے پسر　　آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

گر ترا پرسند سہ دیگر کدام　　کم خورد و کم گفتن و خفتن حرام

اور اکثر محققین نے فرمایا کہ محبت صادق کی نمایاں علامت اور کھلی ہوئی ایک نشانی یہ ہے کہ محب بجز حسن محبوب کے دوسری طرف کبھی التفات نہیں کرتا اور شوق دید میں زبان حال سے کہتا ہے ؎

گر چشم بروئ دگرے باز کنم　　حق نمک حسن تو کورم سازد

لیکن شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں ایک علامت محبت کی جس میں معنوی کیفیات کا بھی ذکر ہے اس صراحت سے بیان فرمائی ہے کہ محب صادق کی مخصوص نشانی یہ ہے کہ اس کا قلب لوث دنیا سے صاف اور اغراض آخرت سے پاک ہو اور اس کو ماسوا یار کسی سے سروکار نہ ہو۔ بقول ؎

عشق ای حیات جاں مذہب و ملت نیست　　قبلۂ ماست کوی تو کعبۂ ماست روئی تو

اور محبت کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ محب ذکر محبوب میں ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ مَنْ احب شَیئاً اکثر ذکرہٗ اور اسی کے ساتھ یہ بھی ہو کہ کثرتِ ذکر حبیب سے خستہ نہ ہو بلکہ آثار طرب و شگفتگی نمایاں ہوں۔ بقول ؎

نُحِبُّکَ مَا اَحْیَیْتَنِیْ کُلَّ حِیْنٍ　　وَ ذِکْرُکَ مُوْنِسِیْ فِیْ کُلِّ حَالٍ

اور ایک علامت محبت کی یہ بھی ہے کہ وصال محبوب و مشاہدہ مطلوب سے محب کے شوق میں قلت اور اشتیاق میں خفت نہ ہو بلکہ مواصلت و مشاہدت سے شوق داعی ھَلْ مِنْ مَزِیْدٍ ہو اور جس قدر تقرب محبوب حاصل ہو اسی قدر شوق اور ذوق میں ترقی ہو اور محب وصال محبوب کا خواستگار رہے کیونکہ جس طرح جمال محبوب کی حد و نہایت نہیں اسی طرح شوق محب کی بھی انتہا و غایت نہیں۔ بقول ؎

سیر گشت چشم من از نظر جمال تو　　ہست درونِ جان من ہر نفسے خیال تو

اور اکثر حضرات صوفیہ کرام اقسام محبت کے تحت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت الٰہی دو نوع پر

Scanned with CamScanner

منقسم ہے۔ محبت عام اور محبت خاص اور محبت عام کی تعریف یہ ہے کہ محب کا باطن مائل بمطالعہ صفات ہو اور محبت خاص کی صفت یہ ہے کہ محب کی روح مائل بمشاہدہ حسن ذات ہو کیونکہ محبت عام کا ماہتاب آسمان صفات پر دورہ کرتا ہے اور محبت خاص کا آفتاب افق ذات سے برآمد ہوتا ہے محبت عام وہ نور ہے جو بزم آسائش کو منور کرتا ہے اور محبت خاص وہ شعلہ نار ہے جو محب کی ہستی کو خاکستر اور خرمن مقاصد واغراض کونیست ونابود کرتا ہے۔ اَلْعِشْقُ نَارٌ تُحْرِقُ مَا سِوَى الْمَحْبُوبِ۔ بقول ؎

عشق آں شعلہ ست کہ چوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اور بعض محقق ارباب طریقت فرماتے ہیں کہ محبت کی پانچ قسمیں ہیں اول الفت۔ دوئم مودت سوئم انس چہارم محبت پنجم عشق جو اصل محبت ہے۔

اور صاحب صحائف السلوک نے نقل فرمایا ہے کہ محبت کے دس مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے پانچ مدارج ہیں اور سب کی تعریف بکمال شرح وبسط فرمائی ہے فمن شاءَ التحقیق فلیرجع الیہ بقول ؎

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

الغرض حضرت صوفیائے کرام نے جس قدر صفات محبت تسطیر فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت تقرب الی اللہ میں مقام رفیع اور مرتبہ علیا کا نام ہے اور جملہ مقامات سلوک اور تمامی اخلاق حسنہ محبت سے وابستہ اور جزئیات محبت سے ہیں اور فی الحقیقت صفات محبت کی تصریح وتشریح امکان بشری سے باہر ہے ؎

گر بگویم عشق را شرح وبیاں من نمانم داں بماند جاوداں

چنانچہ ارباب دید ویافت نے ہماری ہدایت کے واسطے محبت الٰہی کے نکات ولطائف اور معاملات وکوائف بہ کمال شرح وبسط بیان فرمائے ہیں۔"

منہاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ یہ ڈھائی سو صفحہ کی کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول میں مرشد پاک کے وہ ملفوظات ہیں جو سلسلے کے تمامی وابستگان پر عاید ہوتے ہیں۔ دوسرے حصہ میں وہ احکام اور شرائط ہیں جو سرکاری فقرائے تہبند پوش کیلئے مخصوص تھے مرشد برحق وارث ارث مصطفوی و مرتضوی کے جملہ ملفوظات یا آیات قرآن کریم کی تفسیر میں ہوتے تھے یا احادیث نبوی کا سلیس اُردو میں ترجمہ ہوتے تھے۔ اس نکتہ کو جس طرح شیدا میاں نے سمجھایا ہے یہ انہیں کا حصہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کام کو اگر وہ انجام نہ دیتے تو کبھی انجام نہ پاتا۔

Scanned with CamScanner

حیات وارث مرشد برحق کی سیرت سوانح حیات اور ملفوظات پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن اس نوک و پلک کی کتاب نہ ابتک کسی نے لکھی ہے نہ آئندہ اُمید ہے کہ لکھی جائیگی۔ کیونکہ حاضر باش فقرا اور مسترشدین تقریباً تمام تر اس دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اب جو کوئی بھی سیرت پر قلم اُٹھائے گا۔ اس کا ماخذ موجودہ سیرت کی تصنیفات ہونگی۔ برعکس اس کے شیدا میاں کو سرکار عالم پناہ سے جو قرب حاصل تھا وہ انکے معاصرین میں بھی کم بزرگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ کیونکہ ان کے والد سنہ ۱۸۶۱ء مطابق ۱۲۷۸ھ میں شرف بیعت سے سرفراز ہوئے تھے۔ شیدا میاں کی پیدائش سنہ ۱۸۲۱ء کی ہے اور ۱۴۔۱۵ برس کی عمر سے وہ سرکاری خدمات کے مختلف فرائض انجام دیتے رہے۔ اس لئے جو انہوں نے اور ان کے والدین نے دیکھا سُنا وہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ غالباً اسی مصلحت سے تصرف وارثی نے ان سے یہ کام لیا اور جب وہ انجام کو پہونچ گیا۔ انہیں ملاءِ اعلیٰ میں شاہد حقیقی کی مجلس قرب میں بلا لیا۔ حیاتِ وارث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کی تحقیق جگر کاوی اور کاوش کے ساتھ کی گئی ہے لہٰذہ حاضر باشی کے حالات چشم دید ہیں یا ان بزرگوں سے اخذ کئے گئے ہیں جن کے چشم دید تھے۔ اس طور پر گویا سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۸۷۵ء تک کے حالات مستند راویوں سے روایت ہیں اور سنہ ۱۸۷۵ء سے سنہ ۱۹۰۵ء تک کے حالات زیادہ تر چشم دید ہیں۔ علاوہ بریں روحانیت کے بلند مدارج میں شیدا میاں کو عجیب و غریب کشفی قوت عطا ہوئی تھی۔ وہ جب چاہتے تھے حضرت شیخ سے براہ راست واسطہ پیدا کر لیتے تھے لیکن ایسے تصرفات کی حد روحانی معاملات تک محدود رہتی ہے۔ غرض ان سے زیادہ مناسب مسترشد سیرت وارثی کو مرتب کرنے کے لئے نہ تھا اور انہوں نے بھی اس کام کی انجام دہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چنانچہ ولادت باسعادت سے جو سنہ ۱۲۳۸ھ مطابق سنہ ۱۸۲۳ء میں ظہور پذیر ہوئی تا سفر آخرین جو سنہ ۱۹۰۵ء مطابق یکم صفر ۱۳۲۳ھ میں پیش آیا۔ تمامی حالات اس طرح قلمبند کئے ہیں کہ سرکار عالم پناہ کی زندگی مبارک سامنے آجاتی ہے۔ امر بالمعروف میں محبت کر دار نہی عن المنکر میں کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے کے دونوں ملفوظات اس شرح و بسط سے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی توضیح کے ساتھ مدلل اس طرح سمجھایا ہے کہ تصوف کا لب لباب نکھر کر اس بیان میں آگیا ہے۔ تجرد یا حصوریت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ خرق عادات کے تذکرہ سے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ مگر جب روز مرّہ کے حالات اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کے سب خرق عادت ہی ہوں تو کوئی ان کے بیان کرنے سے کیسے دریغ کر سکتا ہے۔ غرضیکہ یہ جامع کتاب مجموعہ ہے معنوی و صوری گلہائے رنگا رنگ کا جس کا فیصلہ اس کا مطالعہ

Scanned with CamScanner

ہی کرسکتا ہے۔ لذت ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی۔

شیدا میاں کی نظم — نظم و نثر میں شیدا میاں نے جو بھی لکھا ہے وہ یا تو مرشد پاک کی ثنا و صفت میں ہے۔ یا ان کی تعلیمات و ملفوظات کی تشریح و تفصیل میں نظم میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ بندش کی چستی۔ ترکیبوں کی برجستگی روزمرے سے ان کا کلام بھرا ہوا ہے وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں برجستگی اور روانی کے ساتھ شعر نظم کرتے تھے۔ گو ان کے کلام کا جو حصہ دستیاب ہو سکا مختصر ہے۔ اس رسالے میں ان کی چار نظمیں نالہ شیدا۔ افضال وارث فیض وارث اور واسوخت شیدا شامل ہیں جس سے ان کی افتاد طبع اور قدرت کلام کا اندازہ ہوگا۔

اس مختصر مقدمہ کو اب ہم اس معذرت کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ شیدا میاں کے سوانح حیات تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کی شخصیت ایسی تھی جس نے آستانہ عالیہ کے تمامی مہمات امور طے کئے اور اس کا ایسا نظام ترتیب دیا جو آج تک جاری ہے۔ وہ از مہد تا لحد مرشد برحق کی خدمت سے وابستہ رہے۔

رضی احمد منیجر آستانہ

Scanned with CamScanner